بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَاَمَّا الَّذِيْنَ سُعِدُوْا فَفِي الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا — ہود ۱۰۸

وہ جو خوش نصیب ہوئے وہ جنت میں ہیں، ہمیشہ اس میں رہیں گے۔

سعادت

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد

ایم۔ اے، پی۔ ایچ۔ ڈی

بین الاقوامی سلسلۂ اشاعت نمبر

۱۸

ادارۂ مسعودیہ ۶/۲، ای۔ ۵، ناظم آباد

کراچی، پاکستان

معارف

وَاَمَّا الَّذِيْنَ سُعِدُوْا فَفِي الْجَنَّةِ خَالِدِيْنَ فِيْهَا

وہ جو خوش نصیب ہوئے وہ جنت میں ہیں، ہمیشہ اس میں رہیں گے۔ ہود۔۱۰۸

سعادت

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد

ایم۔اے، پی۔ایچ۔ڈی

۱۸

ادارہ مسعودیہ، کراچی

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم
نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

سعادت

(۱)

قرآن حکیم اتحاد و یگانگت کی تعلیم دیتا ہے جو باہمی حسن سلوک میں پوشیدہ ہے......ہمیں ہدایت کی گئی ہے کہ بدی کا بدلہ نیکی سے دیا جائے......

اِدۡفَعۡ بِالَّتِیۡ ھِیَ اَحۡسَنُ السَّیِّئَۃَ [1]

''سب سے اچھی بھلائی سے برائی کو دفع کرو''

لیکن جب تک ''سعادت حقیقی'' حاصل نہ ہو، حسن سلوک کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا......خواہشات کا اللہ اور اس کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کے تابع ہونا ''سعادت حقیقی'' ہے کہ اسی سے نوع انسانی کی بہتری وابستہ ہے......سب سے اہم مسئلہ یہ ہے کہ افکار و اعمال کے اس انبوہ کثیر میں کس کس فکر و عمل کو اپنایا جائے اور کس کس کو رد کر دیا جائے......جمیل و قبیح، خوب و ناخوب، اچھے اور برے اس طرح آپس میں گھل مل گئے ہیں کہ علیحدہ کرنا عقل کے بس کی بات نہیں، ہاں وحی اس مشکل کو حل کر سکتی ہے، ملت کی حیات، اجتماعیہ کا دارومدار اسی حسن انتخاب پر ہے۔

اس میں شک نہیں کہ نیکی و سعادت کا حصول حیات انسانی کے اعلیٰ مقاصد میں سے ایک مقصد عظیم ہے، اس لئے یہ جان لینا بھی ضروری ہے کہ خود زندگی بھی بامقصد ہے یا نہیں!......اگر یہ بے مقصد ہے تو وہ تمام مقاصد جن کا انحصار اس بے مقصد شے پر ہے، خود بخود بے حقیقت اور بے معنی بن کر رہ جاتے ہیں......

قرآن حکیم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ زندگی بے مقصد نہیں گو بعض ملحدین اور فلاسفر نے اس کو بے معنی کہا ہے، لیکن قرآن حکیم کا ارشاد ہے:۔

اَفَحَسِبۡتُمۡ اَنَّمَا خَلَقۡنٰکُمۡ عَبَثًا وَّ اَنَّکُمۡ اِلَیۡنَا لَا تُرۡجَعُوۡنَ ۝ [2]

''تو کیا یہ سمجھتے ہو کہ ہم نے تمہیں بیکار بنایا اور تمہیں ہماری طرف پھرنا نہیں''......؟

بیشک جس نے انسان کو بنایا ہے وہی یہ بتا سکتا ہے کہ انسان بامقصد ہے، بے مقصد نہیں......

؎ یہ اک بات کہ آدم ہے صاحب مقصود
ہزار گونہ فروغ و ہزار گونہ فراغ

مقصدیت کا علم ہو جانے کے بعد خود بخود یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر وہ مقصد ہے کیا جس کے لئے انسان پیدا کیا گیا ہے......؟

ڈاکٹر اقبال نے اس پوشیدہ مقصد کی عظمت و بلندی کا اس طرح ذکر کیا ہے......

مقصدے مثل سحر تابندۂ
ماسوائے را آتش سوزندۂ
مقصدے از آسماں بالا ترے
دل ربائے، دل ستانے، دل برے
باطل دیرینہ را غارت گرے
فتنہ در جیبے سراپا محشرے [3]

اور قرآن حکیم نے اس مقصد کی اس طرح وضاحت فرمائی ہے:۔

خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَحْسَنُ عَمَلاً.....[4]

''موت اور زندگی پیدا کی کہ تمہاری جانچ ہو، تم میں کس کا کام زیادہ اچھا ہے''......؟

گویا ہمارے حسن عمل کی آزمائش ہے......ہم نیک کام کرنے اور نیک کاموں کا حکم دینے کے لئے پیدا کئے گئے ہیں، دوسری جگہ اس حسن عمل کو عبادت سے تعبیر کیا گیا، چنانچہ فرمایا گیا۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ......[5]

''اور میں نے جن اور آدمی اسی لئے بنائے کہ میری بندگی کریں''......

یہ عبادت واطاعت، عبادت گاہوں تک محدود نہیں بلکہ پوری انسانی زندگی پر محیط ہے......ظاہری اور باطنی زندگی......سعادت کا تعلق انسانی جسم سے نہیں بلکہ اس کی روح سے وابستہ ہے......اسی لئے ڈاکٹر اقبال نے کہا ہے......

؎ وہ شئے کچھ اور ہے، کہتے ہیں جان پاک جسے
یہ رنگ ونم، یہ لہو، آب وخاک کی ہے نیشی

یہی ''شئے لطیف'' جب جلا پاتی ہے تو سعادت کا ظہور ہوتا ہے......حضرت امام غزالی علیہ الرحمہ نے اپنی تصنیف ''احیاء العلوم'' میں اس کیفیت کا اس طرح ذکر فرمایا ہے......

''نفس کی ایک ایسی کیفیت اور ھیئت راسخ جس کی وجہ سے بغیر غور وفکر بسہولت نفس سے اعمال صادر ہوسکیں۔ اگر وہ ھیئت اس طرح قائم ہے کہ اس سے عقل کی نظر میں اعمال حسنہ صادر ہوتے ہیں تو اسکا نام ''خُلق حسن'' ہے اور اگر غیر محمود اور مذموم افعال صادر ہوتے ہیں تو اس کو ''خلق سَیِّ'' کہتے ہیں۔'' [6]

قرآن حکیم نے انسانی نفس کی تین حالتوں کا ذکر کیا ہے، پہلی حالت ''امارہ'' سے تعبیر کیا ہے......

اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْٓءِ [7]

''بے شک نفس تو برائی کا بڑا حکم دینے والا ہے۔''

یہ نفس کی وہ کیفیت ہے جو انسان کو ہمیشہ سعادت ونیکی سے دور رکھتی ہے حتیٰ کہ انسان کے ذہن میں بھی نیکی کا گزر نہیں ہوتا...... دوسری حالت کو ''لوامہ'' سے تعبیر کیا ہے......

وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ۔[8]

''اور اس جان کی قسم جو اپنے اوپر ملامت کرے''

یہ نفس کی وہ کیفیت ہے جو ارتکاب گناہ کے ساتھ ساتھ انسان کو نادم وشرمسار رکھتی ہے......اس کا دل بدی پر مطمئن نہیں رہتا، بلکہ پشیمانی کی وجہ سے ایک بے چینی رہتی ہے......نیکی وبدی کی اس نفسیاتی کشمکش کو مرزا غالب نے یوں بیان کیا ہے......

؎ ایماں مجھے روکے ہے تو کھینچے ہے مجھے کفر
کعبہ مرے پیچھے ہے تو کلیسا میرے آگے

اور حفیظ جالندھری نے نفس انسانی کی اس خاص کیفیت میں پشیمانی اور رب العزت کے عفو ودرگزر کا نقشہ کس مؤثر انداز سے کھینچا ہے......

؎ پشیمانیاں ہیں گناہوں پہ لیکن
بڑے ہی مزے کی پشیمانیاں ہیں!

اس پشیمانی کی جیتی جاگتی تصویر مشہور اردو شاعر جگر مراد آبادی ہیں...... ان کو اللہ نے توبہ کی توفیق عطا فرمائی اور پھر شراب وکباب سے ایسے پھرے کہ کبھی اس طرف رُخ نہ کیا......احساس جرم کے ساتھ کس حسرت سے فریاد کرتے ہیں۔ ؎

اے رحمت تمام مری ہر خطا معاف!
میں انتہائے شوق میں گھبرا کے پی گیا

تیسری حالت کو ''مطمئنہ'' سے تعبیر کیا گیا ہے......اس منزل پر پہنچ کر بدی کا تصور میں بھی کھٹکا نہیں رہتا اور نیکی وسعادت انسان کی رگ وپے میں سرایت کر جاتی ہے، وہ تمام خواہشات پر اللہ کی توفیق سے اختیار حاصل کر لیتا ہے اور خواہشات نفسانی کے ہاتھوں بے اختیاری کی کیفیت ختم ہوجاتی ہے......اس کا ہر ہر عمل احکام الٰہیہ کے تابع ہوجاتا ہے......ڈاکٹر اقبال نے اس کیفیت کو ان اشعار میں بڑے مؤثر پیرایہ میں بیان کیا ہے۔

ہر لحظہ ہے مومن کی نئی شان نئی آن
گفتار میں کردار میں اللہ کی برہان
یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن
قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن
فطرت کا سرود ازلی اس کے شب و روز
آہنگ میں یکتا صفت سورۂ رحمٰن

اسی کیفیت کو قرآن حکیم نے اس انداز سے بیان فرمایا ہے......

يٰۤاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ۝ اِرْجِعِيْۤ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ۝ فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ ۝[9]

''اے اطمینان والی جان اپنے رب کی طرف واپس ہو یوں کہ تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی پھر میرے خاص بندوں میں داخل ہو اور میری جنت میں آ''۔

یہ وہ منزل ہے جہاں پہنچ کر وہ اطمینان قلب میسر آتا ہے کہ موت بھی خوشگوار و دل نواز معلوم ہونے لگتی ہے......ڈاکٹر اقبال نے اس شعر میں نفس مطمئنہ کی ایک جھلک دکھائی ہے......

؎ نشان مرد مومن باتو گویم
چو مرگ آید تبسم بر لب اوست

''میں تجھے مرد مومن کی نشانی بتاتا ہوں جب موت آتی ہے تو اس کے لبوں پر مسکراہٹ ہوتی ہے۔''

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی مشہور تصنیف ''حجتہ اللہ البالغہ'' میں نفس کی اس کیفیت کا ان الفاظ میں ذکر فرمایا ہے:۔

انسان میں ایک بڑا کمال پوشیدہ ہے جس کا تقاضا اس کی صورت نوعیہ کرتی ہے، وہ عظیم الشان کمال ''سعادت حقیقی'' ہے، جس کی تعریف یہ کی جاسکتی ہے کہ خواہشات کا ''عقل کل'' کے زیر اثر ہوجانا اور تحقیق سے ثابت ہوچکا ہے کہ سعادت بغیر عبادت متصور نہیں ہوسکتی......[10]

عبادت اور تعلق باللہ کے بغیر ایک قسم کی سعادت کا حصول ممکن تو ہے مگر وہ سعادت ہی نہیں، چنانچہ شیفٹسبری، نوعیت خیر پر بحث کرتے ہوئے لکھتا ہے:۔

''کسی شئے کی اچھائی کوئی ایسا وصف نہیں ہوتا جو محض اس سے متعلق ہو، بلکہ اس کا تعلق ایک وسیع تر جسم یا نظام کی نسبت سے ہوتا ہے جس میں وہ شئے پائی جاتی ہے۔ کسی نظام کا حصہ خاص اس وقت اچھا کہلائے گا جب یہ اس میں موزوں اور مناسب ہوگا اور اچھائی کا جہاں تک تعلق ہے نوع انسان کی فلاح و خیر کسی ایک فرد کی فلاح و خیر سے بہتر و بالاتر ہے، پس نیکی و سعادت کی تعریف یہ ہوگی کہ ایسے تاثرات کا رجحان جو کل نوع انسانی کے لئے مفید ہوتے ہیں اور براہ راست خیر کو مقصود بناتے ہیں''......[۱۱]

یہی فلسفی آگے چل کر لکھتا ہے......

''فلاح عام، خطا و ثواب کے لئے آخری اور قطعی معیار ہے''...... [۱۲]

اسی لئے جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں قرآن حکیم یہ فرماتا ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ ○ [۱۳]

''اور ہم نے تمہیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہانوں کے لئے''......

تو اس کا مقصود یہی ہے کہ نیکی و بدی کی تمیز کے لئے جو انسان کامل بھیجا گیا ہے اس کے سامنے محض فرد کی فلاح نہیں بلکہ نوع انسانی کی فلاح ہے اسی لئے وہ رحمت عالم ہے۔

شیفٹسبری نے جو یہ کہا ہے کہ ''فلاح عام خطا و ثواب کا معیار ہے'' تو اس میں شک نہیں کہ معیار یہی ہے، لیکن اگر عقل کی روشنی میں اس کا تعین کیا گیا تو ہزار نشیب و فراز سے دوچار ہونا پڑے گا اور عین ممکن ہے کہ ہم بھنور میں پھنس کہ رہ جائیں کیوں کہ فلاح کی حقیقت سمجھنے سے عقل عاری ہے پھر فلاح عام کا اندازہ تو بہت ہی مشکل ہے۔

(۲)

بے شک عقل سے انکار ایک بڑی حقیقت سے انکار ہے لیکن عقل کا اپنا دائرہ ہے، اس سے بلند تر جانا یا اپنی حدود سے تجاوز کرنا اس کے بس کی بات نہیں......وحی اور وجدان کے مقابلے میں عقل بہت سست رفتار ہے......اس کی سست رفتاری کا اس سے اندازہ ہوجاتا ہے کہ وحی کی روشنی میں جو حقائق چودہ سو برس پہلے واشگاف کئے گئے تھے، عقل نے ایک زمانہ گزر جانے کے بعد اب ان حقائق کی تعبیر و تشریح کی ہے، بلکہ ابتداء میں تو انکار ہی کرتی رہی اور عقلیت پرستوں نے اس کے انکار کو حرف آخر تسلیم کر کے کتاب اللہ کی دور از کار تاویلات شروع کر دیں، لیکن وقت گزر جانے کے بعد وہی سچ اور صحیح ثابت ہوا جو قرآن حکیم نے فرمایا تھا، اس قدر انکشافات کے باوجود بعض حقائق عقل کے لئے اب تک عقیدہ لاینحل بنے ہوئے ہیں حالانکہ ان کا حل بھی وحی پیش کر رہی ہے۔

نوع انسان کو برق رفتار رہبر کی ضرورت ہے......حیات مستعار بہت مختصر ہے اور اسی میں سب کچھ کرنا ہے......خارزار حیات سے منزل مقصود تک پہنچنا ہے......عقل اپنی حدود سے باہر پیشوائی کیلئے تیار نہیں، وہ خود رہرو ہے، رہبر نہیں بن سکتی، ہمیں وحی کے سہارے عقل سے آگے قدم بڑھنا ہے۔

گزر جا عقل سے آگے کہ یہ نور
چراغ راہ ہے، منزل نہیں ہے

اور حیات انسانی کا یہ ایک المیہ ہے کہ "چراغِ راہ" کو "منزل" سمجھ لیا گیا ہے اور منزل کی تلاش چھوڑ دی، حالانکہ منزل ماوراء عقل ہے...... عقل وہاں کے ہنگاموں سے قطعاً ناآشنا ہے......

درون خانہ ہنگامے ہیں کیا کیا
چراغ رہ گزر کو کیا خبر ہے؟

یہی وہ ہنگامے ہیں، اگر ان تک رسائی ہو جائے تو انسان کو پیش آنے والے اعمال وافکار کی ساری گتھیاں سلجھ جائیں اور حسین وقبیح، خوب وناخوب، پسندیدہ وناپسندہ سب آشکار ہو جائے......

ڈاکٹر محمد اقبال نے باوجود اپنی فکری بلندیوں کے "سعادت حقیقی" کی دریافت کے لئے عقل کو بے اثر قرار دیا ہے اور وحی کی اہمیت کی طرف اس طرح متوجہ کیا ہے۔

؎ عقل بے مایہ امامت کی سزاوار نہیں
راہبر ہو ظن و تخمین تو زبوں کار حیات
فکر بے نور ترا، جذب عمل بے بنیاد
سخت مشکل ہے کہ روشن ہو شبِ تار حیات
خوب و ناخوب عمل کی ہو گرہ وا کیوں کر
گر حیات آپ نہ ہو شارح اسرار حیات[14]

بلاشبہ نیکی اور بدی سے کماحقہ واقفیت کیلئے ایسا علم ضروری ہے، جو تمام شکوک وشبہات سے بالاتر ہو۔ اسی لئے جب خداوند کریم نے قرآن حکیم کا تعارف فرمایا تو اس انداز سے:

ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْهِ[15]

"وہ بلند رتبہ کتاب (قرآن) کوئی شک کی جگہ نہیں"

لیکن یہ حقیقت ہے کہ یقین کی پہلی منزل شک ہی ہے، ہم شک سے یقین کی طرف سفر کرتے ہیں، پھر یقین کے مختلف مدارج طے کرتے ہوئے روز روشن کی طرح حقائق کو دیکھتے اور محسوس کرتے ہیں مگر قرآن حکیم کا عالم ہی کچھ اور ہے، یہاں یقین ہی یقین ہے۔

یقین کے کئی درجات ہیں، پہلا درجہ علم الیقین ہے، یعنی کسی سے سن کر یا پڑھ کر حقائق سے واقف ہونا، دوسرا درجہ عین الیقین ہے، یعنی خود دیکھ کر حقائق کو جاننا، تیسرا درجہ حق الیقین ہے، یعنی جن حقائق کو سنا، پڑھا اور دیکھا تھا ان کے وجود کو خود محسوس کرنا...... پہلے دو درجوں میں شک وشبہ کی گنجائش ہے...... بسا اوقات ہم جو کچھ سنتے یا پڑھتے ہیں، وہ غلط ثابت ہوتا ہے اور یہ بھی ہوتا ہے کہ ہم جو کچھ دیکھتے ہیں وہ بھی غلط ثابت ہوتا ہے، لیکن حق الیقین، یقین کی وہ خاص کیفیت ہے جو شک وشبہ سے بالاتر ہے، یہ کیفیت وحی کے طفیل حاصل ہو سکتی ہے...... اس نے ہم کو "حقیقت سعادت" سے باخبر کیا ہے...... یقین، نوح انسانی کی حیات اجتماعیہ میں بمنزلہ روح کے ہے، اگر یہ میسر نہیں تو ملت ایک جسم بے جان کی طرح ہے، اسی لئے ڈاکٹر اقبال نے کہا تھا:۔

؎ یقین مثل خلیل آتش نشینی
یقین اللہ مستی خود گزینی

جس طرح اللہ تعالیٰ نے بعض انسانی عقول میں صلاحیت ودیعت فرمادی ہے کہ وہ نباتات کے خواص کے متعلق تحقیق وتجربہ کر کے انسان کے جسمانی امراض کے علاج دریافت کریں، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے بعض نفوس قدسیہ میں یہ صلاحیت ودیعت فرمائی ہے کہ وہ فیضان ربانی کی رہنمائی میں اعمال وافعال کے خواص دریافت کر کے انسانی امراض روحانیہ کا علاج تجویز کریں۔ انسانی جسم ہی جسم نہیں بلکہ روح اور جسم دونوں سے عبارت ہے اور دونوں امراض کا شکار ہوتے ہیں، دونوں کو اصلاح اور علاج کی ضرورت ہے۔

جس طرح امراض جسمانیہ کے لئے حکماء اور اطباء کی طرف رجوع کیا جاتا ہے اور ان کی تجویز پر اس حد تک یقین کیا جاتا ہے کہ محبوب سے محبوب چیز بھی ترک کر دی جاتی ہے اور بالکل ملال نہیں ہوتا...... اسی طرح دانائی کا تقاضا یہ ہے کہ امراض روحانیہ کے لئے حکماء روحانیہ یعنی انبیاء علیہم السلام اور صلحاء امت کی طرف رجوع کیا جائے اور ان کی ہر تجویز اسی طرح بہ دل و جان تسلیم کی جائے جس طرح امراض جسمانیہ میں حکماء کی تجاویز و نصائح کو تسلیم کیا جاتا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ طبیب یا ڈاکٹر عوارض کے ہونے کو بند نہیں کرتے اور طبابت و حکمت کی نہ یہ غرض ہے۔ طبابت کا موضوع یہ ہے کہ عوارض اور صحت میں فرق بتایا جائے اور یہ بھی بتایا جائے کہ صحت کن اصولوں سے قائم رہ سکتی ہے، کن وجوہ سے اس میں انقلاب و ختلال کا اندیشہ ہے اور کن تدابیر سے عوارض کا علاج ہو سکتا ہے...... [16] اسی طرح رسالت و نبوت کا مقصود بھی یہی ہے کہ عوارض روحانیہ اور صحت روحانیہ میں فرق بتایا جائے، ان اصولوں کو واشگاف کیا جائے جن پر صحت روحانی کا دارومدار ہے، جو عوارض لاحق ہو چکے ہیں ان کے ازالے کی تدابیر بیان کی جائیں، اسی لئے قرآن حکیم نے یہ ہدایت فرمائی ہے:۔

وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا...... [17]

''اور جو کچھ تمہیں رسول عطا فرمائیں وہ لو اور جس سے منع فرمائیں باز رہو......''

یعنی آپ کی حکیمانہ ہدایت پر پوری پوری طرح توجہ دی جائے، ڈاکٹر اقبال نے خوب کہا ہے۔ ؎

بمصطفےٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر باو نہ رسیدی تمام بو لہبی ست

(۳)

یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جس طرح اچھی یا بری غذاؤں کا اثر لازماً انسان کے جسم پر ہوتا ہے، اسی طرح اچھے یا برے افکار و اعمال کا اثر انسان کی روح پر ہوتا ہے...... جس طرح اپنے پیٹ کو اچھی اور بری غذاؤں سے بھر لینا دانائی نہیں اور صحت جسمانی کو برباد کرنے کے مترادف ہے اسی طرح اچھے یا برے افکار و اعمال کا ذہن و روح کو آماجگاہ بنانا روحانی اور ذہنی صحت کو برباد کرنے کے مترادف ہوگا......

سعادت و نیکی کے حصول کے لئے انبیاء علیہم السلام کی رہنمائی ضروری ہے۔ اسی لئے کہ ان حضرات کو مولیٰ تعالیٰ کی طرف سے وہ لطیف حسیّت عطا کی گئی ہے جو انسانی فکر و شعور سے بالاتر ہے...... اخلاقی حسیّت کا جو عالم ہے اس کو لیسلی اسٹیفن نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے......

''لطیف اخلاقی حسیّت کا انسان، جذبی بے آہنگیوں کو اس طرح محسوس کر سکتا ہے جس طرح ایک سازندہ آواز کے ایسے لطیف فرق کو محسوس کر سکتا ہے جن کو حکمی مشاہدہ کرنے والے بھی محسوس کرنے سے قاصر رہتے ہیں''۔ [18]

معاشرے کی عافیت اسی میں ہے کہ اس کی رہنمائی کامل شخصیت اور ایسے باکمال انسان کے ہاتھ میں ہو جس کو اللہ تعالیٰ نے نوع انسان کا نباض بنایا ہو...... وہی حقیقی نیکی اور سعادت سے انسان کو روشناس کراسکتا ہے......لیسلی اسٹیفن لکھتا ہے:۔

''ہمارے نظریے کی مطابق برترین نمونہ وہ ہونا چاہئے جو بحیثیت مجموعی معاشری
عافیت کی شرائط کیلئے سب سے زیادہ موزوں ہو......[۱۹]

خداوند تعالیٰ نے نوع انسانی کی معاشری عافیت کے لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا انتخاب فرمایا اور سارے عالم کو اس طرف متوجہ فرمایا......

لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِی رَسُوْلِ اللہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃ...... [۲۰]

''بے شک تمہیں رسول اللہ کی پیروی بہتر ہے''

گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ سعادت و نیکی کا معیار ہے......

ع دنیا میں بھی میزان، قیامت میں بھی میزاں

نوع انسانی پر حق سبحانہ تعالیٰ کا بڑا احسان ہے کہ ایسا جلیل القدر رسول مبعوث فرمایا، جو ذہنی اور روحانی دونوں اعتبار سے اتنا بلند ہے کہ اس نے افکار و اعمال کے خرمن سے محبوب و نامحبوب اس طرح الگ الگ کر دیئے جس طرح دن، رات سے الگ ہو جایا کرتا ہے......اسی لئے حق تعالیٰ اپنی کسی نعمت پر احسان نہیں جتاتا سوائے بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد ہوتا ہے......

لَقد مَنَّ اللہُ عَلَی الْمُؤمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْھِمْ رَسُوْلاً مِّنْ اَنْفُسِھِمْ یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ
اٰیٰتِہٖ وَیُزَکِّیْھِمْ وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ۔ [۲۱]

''بے شک اللہ کا بڑا احسان ہوا مسلمانوں پر کہ ان میں انہیں میں سے ایک رسول بھیجا جو ان پر اس کی آیتیں پڑھتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب وحکمت سکھاتا ہے''......

یہ وہی حکمت ہے جس کا قرآن حکیم نے دوسری جگہ اس طرح ذکر فرمایا:۔

وَمَنْ یُؤْتَ الْحِکْمَۃَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْرًا کَثِیْرًا [۲۲]

''جسے حکمت ملی اسے بھلائی ملی''

اور اس خیر کثیر کا ذکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فضائل و کمالات میں ملتا ہے،
قرآن حکیم کا ارشاد ہے:۔

اِنَّا اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ [۲۳]

(ہم نے تم کو کوثر عطا فرمائی)

یہ حکمت جو خیر کثیر سے عبارت ہے، حقائق اشیاء کے علم میں معین و مددگار ہے اور انسان کو فکری طور پر اتنا بلند کر دیتی ہے کہ وہ انسان حسن و جمال کا بالمشافہ مشاہدہ کرتا ہے......

ے نمود جس کی فراز خودی سے ہو وہ جمیل
جو ہو نشیب میں پیدا قبیح و نا محبوب

(۴)

سعادت، شریعت ہے...... جمال، طریقت ہے اور مسرت وطمانیت، حقیقت ہے......سعادت کا متلاشی جمال سے محروم نہیں رہ سکتا اور جمال کا مشاہدہ کرنے والا حقیقی مسرت وطمانیت سے نا آشنا نہیں رہ سکتا، گویا سعادت و جمال لازم وملزوم ہیں۔ افلاطون، ہیگل اور شوپنہار وغیرہ فلاسفہ نے حسن کی یہ تعریف کی ہے......

''حسن عبارت ہے ذات مطلق سے جس کی صفات کا علم تعقل، احساس یا وجدان کے ذریعہ حاصل ہو سکتا ہے''......[۲۴]

قرآن حکیم نے جا بجا مختلف پیرایوں سے حسن و جمال کا ذکر کیا ہے...... تخلیق انسانی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ اَحْسَنِ تَقْوِیْم [۲۵]

''بے شک ہم نے آدمی کو اچھی صورت پر بنایا''

پھر اس کی دنیوی اور دینی سعادت کے لئے ایک معیار قائم کیا اور اس کا اس طرح ذکر فرمایا:

صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً [۲۶]

''ہم نے اللہ کا رنگ لے لیا اور اللہ سے بہتر کس کا رنگ ہے!''

یوں ہاتھ نہیں آتا وہ گوہر یک دانہ
یک رنگی و آزادی اے ہمت مردانہ

جب انسان کے مقصد حیات کا ذکر کیا گیا تو اعمال میں بھی اس حسن و جمال کا ذکر فرمایا:۔

اَلَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلاً...... [۲۷]

''وہ جس نے موت اور زندگی پیدا کی کہ تمہاری جانچ ہو تم میں کس کا کام زیادہ اچھا ہے''......

تبلیغ دین اور دینی معاملات میں بحث و مباحثہ کے آداب سکھائے تو ہدایت فرمائی:۔

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ...... [۲۸]

''اپنے رب کی راہ کی طرف بلاؤ، پکی تدبیر اور اچھی نصیحت سے
اور ان سے اس طریقہ پر بحث کرو جو سب سے بہتر ہو''

ابنائے جنس سے سلوک کا حکم دیا تو وہاں بھی یہی ہدایت کی گئی ارشاد ہوتا ہے......

وَلَا تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ وَلَا السَّیِّئَةُ ط اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ...... [۲۹]

''اور نیکی اور بدی برابر نہ ہو جائیں گی، اے سننے والے برائی کو بھلائی سے ٹال......

ان تمام آیات میں لفظ ''احسن'' محل غور و فکر ہے، اس کے معنی بہترین اور حسین ترین کے ہیں...... قرآن حکیم کی روشنی میں ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ ''سعادت حقیقی'' اور ''جمال حقیقی'' کی ایک ہی راہ ہے...... ''سعادت'' روح جمال ہے...... سعادت، مظہر مسرت ہے...... جب ہم سعادت کی تلاش کرتے ہیں تو حقیقی مسرتوں کو خود بخود پا لیتے ہیں...... شیفٹسبری نے لکھا ہے:۔

''اس دنیا میں سعادت و مسرت ساتھ ساتھ ہیں، سعادت کے اندر مسرت پنہاں ہے''...... [۳۰]

لیکن یہ مسرت جب ہی محسوس کی جاسکتی ہے جب سعادت کی قدر و منزلت کا پورا پورا ادراک ہو ورنہ انسان کی نگاہیں ماوراء سعادت اس کی ثمرات تلاش کرتی ہیں، ڈاکٹر اقبال نے اسی بے ریا اطاعت کو جو حقیقی سعادت ہے، اس انداز سے بیان فرمایا ہے۔

لطف صد حاصل ہماری سعیٔ لا حاصل میں ہے

......الغرض حصول سعادت کے لئے ''صاحب السعادۃ'' کا دریافت کرنا ضروری ہے، یعنی وہ ذات قدسی صفات جس کے افکار و اعمال احکام الٰھیہ کے آئینہ دار ہوں......اس کا علم ہم کو تاریخ، تجربہ اور مشاہدے کی روشنی میں ہو سکتا ہے۔ جب ''صاحب السعادۃ'' تک رسائی ہو جائے تو پھر جو ضابطہ حیات وہ پیش کرے اس پر روحانی اور ذہنی بیداری کے ساتھ عمل کیا جائے، عمل کی ذمہ داری اس یقین کے ساتھ قبول کی جائے کہ مقاصد حیات کی تکمیل اور سعادت و فضیلت کی ایک ہی راہ ہے، یعنی جو کچھ ہم حاصل کرتے ہیں وہ صرف ہمارے لئے ہے......اللہ کی اطاعت گو بظاہر اللہ کی اطاعت ہے، مگر اطاعت کے ثمرات کے حقدار صرف ہم ہی ہیں......

ذٰلِکَ فَضۡلُ اللّٰہِ یُؤۡتِیۡہِ مَنۡ یَّشَآءُ......

''صاحب السعادۃ'' کی تلاش و جستجو کے علاوہ روحانی انقلاب اور عزم راسخ
کی بھی ضرورت ہے، جس کو قرآن حکیم نے واضح الفاظ میں بیان فرما دیا ہے۔

انسان میں دو قوتیں پوشیدہ ہیں......قوت ملکیہ اور قوت بہیمیہ......قوت بہیمیہ بدی کی طرف راغ کرتی ہے، اس کا مرکز عقل نہیں کیونکہ بسا اوقات انسان ایسے کام کر گزرتا ہے جس کی عقل اجازت نہیں دیتی، ظاہر ہے کہ اگر اس قوت کا مرکز عقل ہوتا تو انسان وہ کام ہرگز نہ کرتا......اسی طرح قوت ملکیہ نیکی و سعادت کی طرف راغب کرتی ہے، اس کا مرکز بھی عقل نہیں، کیونکہ بسا اوقات انسان ایسے کام کر گزرتا ہے جس کو دیکھ دیکھ کر خود عقل حیران رہ جاتی ہے......

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق
عقل ہے محو تماشائے لب بام ابھی

سعادت و نیکی کی اس مخفی قوت کو ڈاکٹر اقبال نے ''دانش نورانی'' سے تعبیر کیا ہے، وہ کہتے ہیں......

اک دانش نورانی اک دانش برہانی
ہے دانش برہانی حیرت کی فراوانی

قوت بہیمیہ کو عزم راسخ سے قوت ملکیہ کے تابع کیا جا سکتا ہے۔ عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے اب تک کے طویل عرصے میں بکثرت ایسی مثالیں نظر آتی ہیں جنھوں نے یہ کمال بہم پہنچایا......قوت بہیمیہ کو قوت ملکیہ کے جتنا تابع کیا جائے گا قلب و نظر میں وسعت پیدا ہوتی جائے گی، حتیٰ کہ اپنی ذات میں آفاقیت کا احساس ہونے لگے گا، اسی کیفیت کو ڈاکٹر اقبال نے اس طرح بیان کیا ہے......

کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گم ہے
مومن کی یہ پہچان کہ گم اس میں ہیں آفاق

بے شک ''قلب المومن عرش اللہ''......جس مقام پر عرش الٰہی ہو اس کی وسعتوں کا کیا ٹھکانہ......غالب کہتا ہے......

دل ہر قطرہ ہے ساز انا البحر
ہم اس کے ہیں ہمارا پوچھنا کیا؟

یہی وسعت و آفاقیت ''صاحب السعادۃ'' کا طرہ امتیاز ہے......''صاحب السعادۃ'' کی تلاش اور اصلاح نفس کے علاوہ حصول سعادت کا طریقہ ایک یہ بھی ہے کہ سعید اور نیک لوگوں کی صحبت اختیار کی جائے......انسان کی سیرت پر صحبت اور ماحول کا بہت اثر ہوتا ہے......دور جدید کے بعض فضلا نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ انسان ماحول کا پروردہ ہے، جو کچھ ہے باہر سے ہے، اندر سے کچھ نہیں، لیکن یہ بات حقیقت کے خلاف ہے......

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث سے تاثیر صحبت کا اندازہ ہوتا ہے۔

الوحدۃ خیر من جلیس السوء والجلیس الصالح خیر من الوحدہ......

''برے ہم نشیں کی صحبت سے تنہائی بہتر ہے اور اچھے ہم نشیں کی صحبت تنہائی سے بہتر ہے''

قرآن کریم اس نفسیاتی اور عمرانیاتی حقیقت کو اس انداز سے بیان فرماتا ہے:۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَکُوۡنُوۡا مَعَ الصّٰدِقِیۡنَ...... [۳۱]

''اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ ہو''

اگر کوئی سعید و نیک بخت نہیں ملتا، تو اس کی تلاش میں رہو......شاید سعادت کی راہیں مل جائیں اور پردہ غیب سے کسی رہبر کامل کا ظہور ہو۔

چاہیے خانہ دل کی کوئی منزل خالی
شاید آجائے کہیں سے کوئی مہمانِ عزیز

(مکتوبہ جون ۱۹۷۱ء)

(پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد)
۲/۱۷/۱۷-سی، پی۔ای۔سی۔ایچ، سوسائٹی
کراچی......(اسلامی جمہوریہ پاکستان

☆☆☆

حواشی وحوالے

۱۔۔۔۔ قرآن حکیم، المومنون، آیت نمبر۹۶، ۲۔۔۔۔ایضاً، آیت نمبر۱۱۵، ۳۔۔۔۔ڈاکٹر اقبال، اسرار خودی، مطبوعہ لاہور

۴۔۔۔۔قرآن حکیم، الملک، آیت نمبر۲، ۵۔۔۔۔قرآن حکیم، الذاریات، آیت نمبر۵۶، ۶۔۔۔۔امام غزالی، احیاء العلوم، جلد سوم، ص۵۶

۷۔۔۔۔قرآن حکیم، یوسف، آیت نمبر۵۳، ۸۔۔۔۔قرآن حکیم، القیامہ، آیت نمبر۲، ۹۔۔۔۔قرآن حکیم، الفجر، آیت نمبر۲۷تا۳۰

۱۰۔۔۔۔شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، حجۃ اللہ البالغہ (بحوالہ، اخلاق اور فلسفہ اخلاق، از حفظ الرحمٰن سیوہاردی، مطبوعہ دہلی، ۱۹۵۰ء

۱۱۔۔۔۔ آر۔اے۔بی۔راجرس، تاریخ اخلاقیات، مطبوعہ حیدرآباد دکن۱۹۳۶ء، ص۱۲۵، ۱۲۔۔۔۔ایضاً ص۱۲۵

۱۳۔۔۔۔قرآن حکیم، الانبیاء، آیت نمبر۱۰۷، ۱۴۔۔۔۔ڈاکٹر اقبال، ضرب کلیم، مطبوعہ لاہور۱۹۵۹ء، ص۳۳

۱۵۔۔۔۔قرآن حکیم، البقرہ، آیت نمبر۲، ۱۶۔۔۔۔مرزا سلطان احمد، اساس الاخلاق، مطبوعہ امرتسر، ص۲۱

۱۷۔۔۔۔قرآن حکیم، البقرہ، آیت نمبر۷، ۱۸۔۔۔۔لیسلی اسٹیفن، علم الاخلاق، مطبوعہ حیدرآباد دکن۱۹۳۵ء، ص۴۰۵

۱۹۔۔۔۔ایضاً ص۴۰۷، ۲۰۔۔۔۔قرآن حکیم، الاحزاب، آیت نمبر۲۱، ۲۱۔۔۔۔قرآن حکیم، ال عمران، آیت نمبر۱۵۴

۲۲۔۔۔۔قرآن حکیم، البقرہ، آیت نمبر۲۶۹، ۲۳۔۔۔ قرآن حکیم، الکوثر، آیت نمبر۱

۲۴۔۔۔ محمد شریف، جمالیات کے تین نظریے، مطبوعہ لاہور۱۹۶۳ء، ۲۵۔۔۔قرآن حکیم، التین، آیت نمبر۴

۲۶۔۔۔ قرآن حکیم، البقرہ، آیت نمبر۱۳۸، ۲۷۔۔۔قرآن حکیم، الملک، آیت نمبر۲

۲۸۔۔۔ قرآن حکیم، النحل، آیت نمبر۱۲۵، ۲۹۔۔۔قرآن حکیم، حٰمٓ السجدہ، آیت نمبر۳۴

۳۰۔۔۔ آر۔اے۔بی۔راجرس، تاریخ اخلاقیات، ص۱۲۶، ۳۱۔۔۔قرآن حکیم، التوبہ، آیت نمبر۱۱۹

☆☆☆